عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

صفر ۱۴۳۷ھ / دسمبر ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: چاردهم

شمارہ: 4

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

ہر ملت کا ایک مزاج پیدا ہوتا ہے اور امتِ محمدیہ مرحومہ کا بھی ایک خاص مزاج ہے جو دیگر جملہ اقوام وملل سے جداگانہ ہے۔ اس کی تشکیل رنگ ونسل ووطن وغیرہ کی بنیادوں پر قطعاً نہیں ہے جس سے دوسری قومیں بنتی ہیں۔ امتِ محمدیہ کا قوام وبنا سراسر مذہبی اقدار پر قائم ہے، اس کی وجہ سے یہ سب قوموں سے جداگانہ اپنا ایک خصوصی مزاج رکھتا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغراب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

ہر امت کا مزاج جو کسی سچے آسمانی دین کی پیروکار ہو، اس کے نبی کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اس امت کو اس اساس اور بنیاد سے ہٹا دینے کی کوشش کی جائے تو خلافِ مزاج ہونے کی بنا پر اس ملت کا قوام بگڑ جاتا ہے اور جب قوام بگڑ جاتا ہے تو انحطاط اور زوال کا ہونا یقینی ہے۔ اقبال مرحوم نے یورپ سے اپنی پہلی واپسی کے بعد علی گڑھ میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کا ترجمہ مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم نے ''ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے کیا تھا، اس میں ڈاکٹر

اقبال نے امت کے عمومی مزاج اور اس کی تعلیم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ "ہم سے زیادہ ہمارے آباؤ اجداد ہمارے ملی نفسیات سے واقف تھے جنھوں نے ہماری تعلیم کی بنیاد قرآن کریم کو بنایا تھا۔" اس موقع پر اقبال نے اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا ایک شعر پڑھا

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

امت کا ملی نفسِ ناطقہ جن اقدار پر استوار ہے، اس میں سب سے پہلی بنیاد وہ دینی حاسہ ہے جس نے ملت کا رابطہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور انور ﷺ کی ذاتِ پاک سے جوڑ دیا ہے۔ امت کی تشکیل بھی اسی جذبۂ واحدہ پر ہوئی ہے، جو کہ اس امت کو تمام اطراف سے توڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسولِ انور ﷺ کی ذات پر جوڑتا ہے، اس کو آپ اسلام، دین یا وحدتِ ملت کہہ لیں، جس نام سے پکاریں، امت کی وحدت کا رشتہ اس کا وہ مابعد الطبیعیاتی دینی نظریہ ہے جس نے ان کے مختلف اللّسان، مختلف الالوان اور مختلف الاوطان اشخاص کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ مشہور پولیٹیکل سائنٹسٹ موسیو ریناں نے ایک مقام پر لکھا تھا کہ قوموں کی تشکیل اصلاً اس باطنی رابطہ اتصال پر ہوتی ہے، جو انھیں آپس میں جوڑ کر ایک نقطۂ ارتکاز پر اکٹھا کر دیتا ہے۔ وہ رابطہ زبان، وطن، رنگ و نسل، روایات یا ذہنی اشتراک، غرض کوئی ایک رشتہ ہو سکتا ہے۔" ریناں کے اس نظریہ کو دیکھتے ہوئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ نکتۂ متحاسکہ جو امت کو ایک نقطہ پر جوڑتا ہے وہ دینی ادراک، قلبی اشتراک اور ذہنی اتصال ہے جس نے اس کو حضرت محمد ﷺ کی ذات، صفات اور آپ کی ختمِ نبوت پر جوڑ دیا ہے۔ جامی نے کہا تھا ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کُن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

ترجمہ: اے جامی! تو عشق کا بندہ ہے، نصب کو چھوڑ۔ اس راستے میں فلاں فلاں کا بیٹا ہونا کوئی چیز نہیں۔

یہ عشقِ محمدی ﷺ، امتِ محمدیہ ہونے کا شعور وہ رابطۂ اتصال ہے جس نے عرب و عجم، گورے و کالے، مشرق و مغرب کے ہر طبقہ کے انسان کو ایک نقطہ پر متحد کر دیا ہے، جیسے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا نسب کیا ہے، تو اسلامی جذبۂ ملت میں سرشار و اسلام کے اس فدائی نے یوں کہا:

ابی الاسلام لا اب سواہ اذا افخرو بقیس و تمیم

میرا باپ اسلام ہے، اسلام کے سوا میرا کوئی باپ نہیں، جبکہ لوگ قیس و تمیم کے قبیلہ میں سے ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایک موقع پر کسی نے باپ کا نام پوچھا تو کہا: سلمان ابنِ اسلام ابنِ اسلام ابنِ اسلام۔

ملت کا بنیادی نظریہ جب نگاہوں سے اوجھل ہوگا، اور اس کی بنیاد پر جو نظامِ تعلیم قائم کیا جائے گا، وہ ملت کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دے گا۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے ہمارے ہاں جو نظامِ تعلیم ہندوستان یا اسلامی ممالک میں رائج تھا، وہ اس دور کے لحاظ سے ہماری مذہبی، دینی، معاشی و دنیاوی جملہ حاجتوں کا کفیل تھا۔ اس کی بنیاد دینِ اسلام کے بنیادی نظریات پر تھی۔ ہر ہر فن میں دین کو سمو دیا گیا تھا۔ اس نظامِ تعلیم کا بچا کھچا حصہ اب بھی مدارسِ اسلامیہ میں درسِ نظامی کے نام سے جاری ہے۔ ناواقف اسے صرف دینی کتابوں اور دینی تعلیم پر منحصر سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں پچھلے دور کی منطق، تاریخ، فلسفہ، عمرانیات اور حساب کے کئی علوم اس میں شامل ہیں، لیکن اس مدرسۂ فکر اور نظامِ تعلیم نے، گو اس میں پرانا فلسفہ اور علوم شامل تھے، ہماری دینی قدروں کو متزلزل نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جب تیسری، چوتھی صدی ہجری و مابعد میں یونانی، ہندی، ایرانی اور دیگر فلسفوں اور نظریات سے دوچار ہوئے تو، سوائے معدودے چند کے، مسلمانوں کے اجتماعی ذہن نے ان کو قبول اور ہضم نہیں کیا تھا، بلکہ اس زمانے کے اہلِ فکر امام اشعریؒ، امام غزالیؒ، امام فخرالدین رازیؒ وغیرہ نے ان تمام فلسفوں کو اولاً مسلمان کیا، پھر نظامِ تعلیم میں شامل کیا۔ غیروں کے ان

مکاتیب فکر کے وہ نظریات جو دین سے مطابقت نہیں رکھتے تھے ان کی تصحیح اور درستی فرمانے کے بعد نظامِ تعلیم میں داخل کیا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کر!!

وہ امت کے مزاج سے واقف تھے، ذہنی طور پر مرعوب نہیں ہوئے تھے اس لئے امت کی بنیادیں متزلزل نہیں ہوئیں، بلکہ جو محدود طبقہ (معتزلہ وغیرہ) متاثر ہوا تھا، وہ بھی امت کے عمومی ذہنی مزاج کو نہیں بگاڑ سکا اور آخرش امت کی وحدت میں گم ہو کر رہ گیا۔ لیکن موجودہ دور میں اولاً مغربی استعمار اور برطانوی فتح مندیوں کے نشہ سے سرشار حکومتِ انگلشیہ نے جو نظامِ تعلیم برِّ کوچک ہندو پاک کو دیا، اور رائج کیا، وہ کلیۃً ہمارے دین، مزاج اور ملی و ذہنی افتاد کے مطابق نہیں تھا، بلکہ اس نے اپنے مفاداتِ خاصہ کے تحت جو نظام رائج کیا اس کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ ملت کے اندر ایسے اشخاص کو پیدا کیا جائے جن کا رنگ اور نسل تو ہندوستانی ہو، لیکن ذہنی افتاد اور مزاج کے لحاظ سے وہ یورپین ہوں تاکہ وہ انگریز کے مفادات کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کر سکیں۔ لارڈ میکالے اور ولیم ہنٹر نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، اور اجتماعی فلسفہ و نفسیات کے مشہور ماہر موسیو لیبان فرنساوی نے اپنی کتاب ''تمدنِ ہند'' میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ ''انگریزوں نے جس نظامِ تعلیم کو ہندوستان میں رائج کیا اس سے بابوؤں کی ایک نئی نسل پیدا ہوگئی جو کہ نسلاً ہندی ہیں، لیکن فکر اور ذہنی افتاد کے اعتبار سے انگریز ہیں، اور انگریز کے مفادات کے لئے انگریزوں سے زیادہ وفادار ہیں''۔

اقبال نے اسی تعلیم کے پروردہ اشخاص سے خطاب کرتے ہوئے موسیو لیبان کے اس نظریہ کی تائید کی ہے اور عجیب پُر درد انداز میں کہا ہے

علم غیر آموختی اندوختی

روئے خویش از غازہ اش افروختی

ترجمہ: تو نے غیر کا علم سیکھا اور جمع کیا۔ گویا اپنے چہرے کو ان کے غازے

(یعنی میک اپ کے سامان) سے روشن کیا۔

ارجمندی از شکارش می بری

من نہ دانم تو توئی یا دیگری

ترجمہ: تو ان کے شکار سے کامیابی چاہتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تو تو ہی ہے یا کوئی اور ہے۔

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر

در گلوئے تو نفس از تار غیر

ترجمہ: تیری عقل غیروں کے خیالات کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے اور تیرے گلے میں سے جو سانس نکلتا ہے وہ غیر کا ہے۔

بر زبانت گفتگو ھا مستعار

در دلِ تو آرزو ھا مستعار

ترجمہ: تیری زبان پر جو گفتگو ہے وہ مانگی ہوئی ہے اور تیرے دل کے ارمان بھی مانگے ہوئے ہیں۔

بادہ می گیری بجام از دیگرم!

جام ھم گیری بو ام از دیگرم!

ترجمہ: اپنے پیالے میں دوسروں کی شراب ڈال رہا ہے بلکہ پیالہ بھی دوسروں سے مانگ رہا ہے۔

قمریانت را نواھا خواستہ!

سروھایت را قباھا خواستہ!

ترجمہ: تیری قمریوں کی آواز بھی مانگی ہوئی ہے اور تیرے سروں کا لباس بھی مانگا ہوا ہے۔

(رموزِ بے خودی ۱۶۰)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ

ظلمت آباد و ضمیرش بے چراغ

ترجمہ: یہ مسلمان کی روشن دماغ اولاد ایسی ہے کہ اس کا ضمیر روشنی کے بغیر ہے۔

در جوانی نرم و نازک چوں حریر

آرزو در سینۂ او زود میر

ترجمہ: جوانی میں حریر کپڑے کی طرح نرم و نازک لیکن اس کے سینے کی آرزوئیں جلدی مرنے والی۔

ایں غلام ابنِ غلام ابنِ غلام

حریت اندیشہ او را حرام

ترجمہ: یہ غلام، غلام کا بیٹا، غلام کا پوتا۔ آزادی اس کی سوچ کے لئے ایک حرام کام ہے۔

مکتب از وئے جذبۂ دین در ربود

از وجودش ایں قدر دانم کہ بود

ترجمہ: مکتب یعنی نظامِ تعلیم اس سے دین کا جذبہ لے گیا۔ اس کے وجود سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کسی وقت اس میں یہ جذبہ تھا۔

ایں زخود بیگانہ ایں مستِ فرنگ

نانِ جو می خواھد از دستِ فرنگ

ترجمہ: یہ اپنے سے بیگانہ، یہ انگریز کا مستانہ، یہ انگریز کے ہاتھ سے جُو کی روٹی چاہتا ہے۔

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ

شستہ رو تاریک جان روشن دماغ

ترجمہ: نوجوان خشک ہونٹ اور خالی پیالے والے، صاف چہرے والے، روشن دماغ والے لیکن تاریک دل والے ہیں۔

کم نگاہ و بے یقین و نا امید

چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید

ترجمہ: کم نگاہ، بے یقین اور نا امید ہیں۔ ان کی آنکھ نے دنیا میں کچھ نہ دیکھا۔

مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست

تابِ جذبِ اندرونش راہ نیست

ترجمہ: مکتب اپنے مقصد سے آگاہ نہیں ہے اور اس کے باطن میں جذب کی طاقت نہیں ہے۔

خشت را معمار ما کج می نہد

خوئے بط با بچۂ شاہیں دہد

ترجمہ: میری بنیاد معمار نے ٹیڑھی رکھی ہے اور شاہین کے بچے کو بطخ کی خو سکھلائی۔

بانگِ درا میں مغربی تعلیم جو مسلمانوں میں سر سید مرحوم کے واسطے سے عام ہوئی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے

لیکن نگاہِ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی میری

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

ترجمہ: میں گیا کہ اپنے پیر سے کانٹا نکالوں لیکن محمل (اونٹ کا وہ کجاوہ جس میں عورتیں بیٹھتی ہیں) میری نظروں سے چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے غافل ہوا جس کی وجہ سے سو سال میری منزل دور ہو گئی۔

ایسے پاؤں سے کانٹا نکالنے والے کے بارے میں کسی رند نے کہا ہے:

ٹھہر کے پاؤں سے کانٹا نکالنے والے

یہ ہوش ہے تو جنوں کامیاب کیا ہوگا

ہندو پاک کے مسلمانوں کی ایک کم نصیبی یہ بھی ہے کہ انگریز نے جو نظامِ تعلیم رائج کیا وہ ہمارے ملی مزاج اور فطرت سے تو سراسر بیگانہ تھا ہی، اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی وہ تعلیم جس سے مغرب میں صنعتی انقلاب کی بنیادیں استوار ہوئی تھیں اسے بالکل رائج ہی نہیں کیا، جس سے افکار و پراگندگی تو پیدا ہوئی لیکن دورِ حاضر کی ترقی، جو صنعتی پیداوار پر منحصر تھی، وہ بھی میسر نہ آئی اور ملی پراگندگی فکر و زبوں حالی کے ساتھ ہم دنیاوی ترقی سے بھی محروم رہ گئے۔

اس کے بالمقابل جاپان میں ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان تعلیمی انقلاب آیا۔ انہوں نے مغرب کے عمرانی علوم کو کما حقہ نہیں لیا۔ بلکہ سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کو رائج کیا اور اس سے صنعتی ترقی میں اتنے آگے بڑھے کہ ۲۵ سال میں یعنی ۱۹۰۵ء میں اس دور کے زار روس کی عظیم سلطنت کو شکست دے دی۔

دوسری مصیبت جو اس امت کے لئے سب سے بڑا المیہ تھا، وہ مغرب کی ظاہری تہذیبی چکا چوند سے مرعوبیت تھی، جس کی وجہ مغربی تمدنی علوم ہی کو علم و حکمت و ترقی کا واحد ذریعہ مان لیا گیا اور ملت کا رابطہ اپنے موروثی ورثۂ علمی سے منقطع کر دیا گیا۔ موجودہ نظامِ تعلیم میں اخلاق کے بچاؤ یا سنوارنے کے لئے کوئی بنیاد قائم نہیں تھی، جو مغرب کے بے خدا اور بے حیا نظامِ تعلیم کا ایک خاصہ ہے۔ اس کے چلن و رواج سے ہمارے نوجوانوں میں اخلاقی انتشار اور بے راہ روی پیدا ہوگئی۔ ہمارے مرحوم نظامِ تعلیم میں جو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ان میں گلستان، پنج گنج، بوستان جیسی اخلاق کے پیدا کرنے والی کتابیں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہم اپنے علمی، اخلاقی ورثہ اور اقدارِ ملی سے محروم ہوگئے اور مغرب کی تعلیم نے ہمارے اس اخلاقی خلا اور دینی اضمحلال کا مداوا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا تعلیم یافتہ، ذہین طبقہ ایسی ذہنی کشمکش اور انتشار میں مبتلا ہو گیا، جس نے مذہب کے بارے میں ہولناک، خطرناک اور بھیانک ارتیاب اور تذبذب کی کیفیت پیدا کر دی اور ایک جدید فرقہ ارتیابیہ (Agnostics) پیدا ہو گیا اور اسلام جو نرا یقین تھا اور جس کی کتابِ منزّل کا

پہلا فقرہ ”لا ریب فیہ“ تھا، اس طبقے نے اسے ریب وشک سے دیکھا اور یقین کی بے بہا دولت سے محروم ہو گیا اور وہ ورثۂ ملی اور دینی اقدار جس سے ملت کا نظام قائم تھا، اس کی نگاہوں میں مضمحل و متزلزل بلکہ اوجھل ہو گیا اور یہ اتنا بڑا ملی حادثہ ہے جس سے ملت کی چولیں ہل گئیں اور امت بے زمام و بے مقصد ہو کر رہ گئی۔

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کی آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

غرض ہماری تعلیم اس وقت تک صحیح، مستقیم، سلیم الطبع اور اپنی ملت اور دینی اقدار پر یقین کرنے والے افراد کو پیدا نہیں کر سکتی، جب تک مروجہ تعلیم میں بنیادی تبدیلی پیدا نہ کی جائے اور اسے ملی اقدار و مزاج کے مطابق نہ ڈھالا جائے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

(صفحہ آخر سے آگے)

آجکل مختلف قوموں کے تہوار ہماری قوم کے افراد منا رہے ہیں، خاص طور سے بیوقوف سیاستدان جو اتفاقاً حکومتی عہدوں پر بھی براجمان ہیں ان میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ اپنی بیوقوفی کا ثبوت دینے کے علاوہ دوسری قوم کی برتری اور غلبے کو تقویت دے کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہی چیزیں بالآخر قوموں کے زوال کا باعث بنتی ہیں۔ اگر بروقت ان باتوں کو سمجھ کر ان کا خیال نہ کیا جائے تو حالات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر رونا پیٹنا کچھ مفید نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۷۳)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

ملک کفر سے تو باقی رہ سکتا ہے ظلم سے باقی نہیں رہ سکتا:

فرمایا کہ یہ نا اہل افسروں کی کارستانی ہی تو ہوتی ہے کہ ماتحت سر پر چڑھ جاتا ہے اور اپنے اختیارات سے بڑھ کر کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور اب تو دو روپے کے سرکاری ملازموں کو اتنا سر پر چڑھا دیا گیا ہے کہ وہ عوام کو کوڑا کرکٹ اور کیڑے مکوڑے سمجھ کر قدموں کے نیچے مسلنے لگے ہیں۔ میرے بھائی! اگر تو حکومت کر رہا ہے اور سیکورٹی اِداروں کی تنخواہ پا رہا ہے تو یہ اس کوڑا کرکٹ اور کیڑے مکوڑے عوام کی خون پسینے کی کمائی کی وجہ سے ہے اور عوام کے بغیر کوئی حکومت، کوئی اِدارہ آگے قدم نہیں اُٹھا سکتا، یہ سب کچھ تب ہو سکتا ہے جب عوام حکومت اور فوج کی پشت پناہی کے لئے کمر باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یاد رکھ ملک کفر سے تو باقی رہ سکتا ہے، ظلم سے باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ جملہ ہے جو باب العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہے۔

حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے شکایت کی کہ حکومت کے ایک افسر نے مجھے ستایا ہے۔ حضرت نے بادشاہِ وقت کو پرچہ لکھا

باز گیر ایں عاملِ بد گوھرے

ورنہ ملکِ تو دھم با دیگرے

ترجمہ: اپنے اس بیکار حاکم کو بدلو ورنہ تمہارا ملک کسی اور کو دے دیں گے۔

یہ کوئی خدائی اختیارات کا دعویٰ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کا ایسا تعلق تھا کہ جو مانگتے تھے مانگ سکتے تھے۔ بادشاہ کو بھی اس کا اندازہ تھا اس لئے فوراً حاکم کو بدلا۔

مشرقی پاکستان میں کیا ہوا؟ پہلے انہوں نے ہمارے لوگوں کو ذبح کیا۔ ہم نے برائی کا

جواب برائی سے دیا اور بدلے میں انہیں ذبح کیا۔ یوں دربارِ الٰہی میں یہ ثبوت پیش کر دیا کہ ہم میں ملک چلانے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پکڑ کر، جکڑ کر ہندو کے قدموں میں ڈال دیا۔ چونکہ یہ خطا عوام کی نہیں تھی چند خاص لوگوں کی تھی اس لئے ملک کی اسلامی حیثیت بھی برقرار رہی اور آزادی بھی برقرار رہی۔ لیکن اس سانحے کے ذمہ داروں کو ذلیل ہو کر موت کا نوالہ بننا پڑا۔ اب بھی وقت ہے۔ باز آ، باز آ، باز آ۔

جو آدمی Priorities یا ترجیحات نہیں جانتا کہ کونسی چیز اہم اور ضروری ہے تو اس کو اللہ کا تعلق نہیں ملتا:

فرمایا کہ آجکل کے دور میں ہم نے بس کسی کسی چیز کو ہی نیکی سمجھ لیا ہے، بس اس کو کر رہے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سارا دین یہی ہے اور اس سے ہمیں اللہ کا تعلق ملے گا۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ جتنا جتنا کرتے ہیں، خواہ کسی مستحب کو ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، تو اس کا اجر اللہ ضائع نہیں کرتا۔ لیکن اس کی مثال ایسی ہوتی ہے گویا کسی آدمی کے پاس گھوڑے کا نال آجائے (گھوڑے کے پیر میں جو ٹھونکتے ہیں) اور وہ سمجھے کہ اب میں شہسوار ہو گیا ہوں۔ میں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے، اب میں شاہسوار ہو گیا ہوں۔ یہ تو ایک عمل آپ نے کیا ہے، پورا دین تو یہ نہیں ہے۔ میں نماز پڑھنے والا ہو گیا ہوں، میں شہسوار ہو گیا ہوں، میں ذکر کرنے والا ہو گیا ہوں، میں شہسوار ہو گیا ہوں۔ جو عمل ہماری سمجھ میں آ گیا اس کو کر رہے ہیں اور اس پر ہمارا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کامل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کس موقع پر کیا کرنا ہے، اس کا فہم آدمی کو صحیح راستے پر ڈالتا ہے۔

غیر محقق صوفیاء کے دھوکوں میں سے یہ ایک دھوکہ ہے کہ بعض اوقات کسی مستحب کا شوق اور مشغولیت ان کو ان کے واجبات اور فرائض سے ہٹا دیتی ہے اور ان کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔ وہ آدمی یوں سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بڑی نیکی حاصل کر رہا ہوں حالانکہ وہ مستحب نیکی حاصل کر رہا ہے اور اس مستحب نیکی کے نتیجے میں اس سے اس کا فرض یا واجب ناقص ہو رہا ہوتا ہے۔ اب اس ترتیب سے

جس کو آپ لوگ Priority یا ترجیح کہتے ہیں، جب آدمی Priorities یا ترجیحات نہیں جانتا کہ کونسی چیز اہم اور ضروری ہے تو اس کو اللہ کا تعلق نہیں ملتا۔ یہ برخوردار سامنے بیٹھا ہے، کہتا ہے کہ مجھے چار ماہ کے لئے جانے کی اجازت دو۔ ہم نے کہا اجازت تو آپ کو دے دیں لیکن پھر دماغی صحت نہیں رہے گی (کیونکہ برخوردار دماغی Psychiatric مریض ہے) جس کی بنیاد پر حلال روزی کما رہے ہو۔ وہ شعبہ بند ہوا تو بال بچے فاقہ میں مبتلا ہو کر کیا کریں گے! شادی کی ہوئی ہے، بیوی کے حقوق ہیں، ماں باپ کے حقوق ہیں، گردوپیش کے حقوق ہیں، اگر یہ عقل اپنی جگہ سالم نہ رہی تو سب پر فرق پڑے گا، ختم ہو جائیں گے، اور جو نماز، روزہ، ذکراذکار کی توفیق ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ تو ایک فہم کی بات ہے۔ جب آپ کا وقت آیا تو آپ کو ان شاء اللہ اجازت دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا مسلمانوں کے لئے جدا ضابطہ ھے اور کفار کے لئے جدا:

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مسلمانوں کے لئے جدا ضابطہ ہے اور کفار کے لئے جدا ضابطہ ہے۔ کفار کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر ہمیں مؤمنین کے پریشان ہونے کا اور گڑبڑ ہونے کا اور متزلزل ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم کفار کو اتنی دنیا دیتے، اتنا مال و دولت دیتے کہ ان کی سیڑھیاں سونے کی ہوتیں۔ سیڑھی ایک بہت معمولی، گھٹیا سی چیز گھر میں ہوتی ہے جو عام سی لکڑی سے بنائی جاتی ہے، اس لئے مثال دی گئی کہ ان کی سیڑھیاں بھی سونے کی ہوتیں، اتنا ہم ان کو دیتے۔ دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اتنی گھٹیا ہے۔ اور فرمایا گیا کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔ اس لئے کافر کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا رابطہ اور ضابطہ اور ہے اور مسلمان کے ساتھ اللہ کا رابطہ اور ضابطہ اور ہے۔ کافر کے ساتھ رابطہ وضابطہ اسباب و وسائل کا ہے۔ اسباب و وسائل زیادہ ہوں گے تو کامیاب ہوگا، دنیا کی چیزیں زیادہ ہوں گی تو کامیاب ہوگا۔ لیکن مؤمنین کے ساتھ رابطہ اور ضابطہ وسائل کا نہیں ہے۔ ان کے ساتھ رابطہ اور ضابطہ اعمال وخصائل کا ہے کہ انکے اعمال کیسے ہیں، ان کی خصلتیں کیسی ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کی تربیت ہوئی حضور ﷺ کے ہاتھوں اور وہ انسانیت کے اس معیار پر پہنچے کہ عقائد، ایمان، اعمال، خصائل ہر لحاظ سے معیاری انسان بنے اور جو تھوڑے بہت وسائل مہیا تھے ان کو لے کر کھڑے ہوئے اور اللہ نے ساری دنیا پر غالب کر دیا۔ کئی جنگوں کو تو قرآن پاک نے مثال کے طور پر بیان کیا اور تاریخ نے بطور روئیداد کے لکھا کہ کیسے بے سرو سامانی کی حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے غالب کیا، فتح دی اور اپنے کم وسائل کو لے کر ساری دنیا پر چھا گئے۔ کسی جگہ پر چھا جانا اور غالب آ جانا، یہ پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ دوسرا مرحلہ وہاں امن وامان قائم کر کے زندگی کو معمول پر لانا ہوتا ہے۔ اور تیسرا مرحلہ اپنے عقائد، اپنی عادات وخصائل، اپنے مذہب ودین، یہ ان کے اندر داخل کرنا اور ان کے تہذیب وثقافت، ان کے رسم ورواج، ان چیزوں کو ختم کر کے اپنے میں مدغم کرنا ہوتا ہے۔

انگریز ہندوستان میں اسلحے کے زور سے غالب آیا، دوسو سال حکومت کی لیکن چونکہ اہلِ باطل تھا، ظالم تھا، اس کے پاس نہ کوئی عقیدہ تھا متاثر کرنے والا اور نہ کوئی عمل۔ لہٰذا دوسو سال بعد اس کو چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ پہلا مرحلہ تو سر کر لیا کہ اسلحہ کے زور سے ملک کو لے لیا۔ دوسرا مرحلہ سر کر لیا کہ امن وامان قائم کر کے زندگی کو معمول پر لے آیا۔ تیسرا مرحلہ سر نہ کر سکا کہ اس علاقے کی زبان، اس کی تہذیب وثقافت، اس کے دین کو بدل دے کیونکہ اس کے دین میں جان نہیں تھی۔ کفر میں جان نہیں کہ اسلام پر غالب آ جائے۔ میں جنوبی افریقہ گیا وہاں کے لوگوں کو انگریزوں نے سو فیصد عیسائی بنایا ہے اور عیسائی بنانے کے ساتھ ڈیڑھ سو سال ان پر حکومت کی ہے۔ پھر وہ کالا عیسائی اُٹھا ہے اور انقلاب برپا کر کے سفید عیسائی کو نکالا ہے اور حکومت واپس لی ہے۔ میں نے اپنے جنوبی افریقہ کے ساتھیوں سے کہا کہ ان کے جو Freedom Fighters ہیں اور ان کے جو نظریاتی لیڈر ہیں ان سے مجھے ملاؤ۔ خاص طور سے منڈیلا کے جو ساتھی رہے ہیں ان سے میری ملاقاتیں کراؤ۔ ان سے جو میری ملاقاتیں ہوئیں تو انہوں نے کہا: ''ہمارے ملک میں جب انگریز آیا تو He told

اس نے کہا کہ انجیل کو us to take bible in your hands and to shut your eyes. ہاتھ میں پکڑو اور آنکھیں بند کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم نے بائبل کو اپنے ہاتھ میں لیا اور آنکھیں بند کیں۔ And when we opened our eyes, the bible was in our hands and our land was in their hands. جب ہم نے اپنی آنکھیں کھولیں تو بائبل تو ہمارے ہاتھ میں تھی اور ہماری زمین ان کے قبضے میں۔ ہمارے وسائل پر وہ خود قابض ہو گئے تھے اور اپنی کتاب ہمارے ہاتھ میں دے دی تھی۔ لہٰذا مذہب کی سو فیصد تبدیلی (Conversion) کرنے کے باوجود وہاں پر سفید چمڑی والا انگریز کامیاب نہیں ہوا۔ کالی چمڑی والے عیسائی نے انقلاب برپا کرکے ان سے اقتدار واپس لے لیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اردو میں لفظ بولتا ہوں، وہ تو بڑا خوبصورت جملہ بن رہا ہے، اس کو آپ لوگ انگریزی میں ترجمہ کرکے ان کو بتائیں۔ میں نے کہا ان سے کہو: ''انگریزوں نے آپ کو عیسائی تو بنایا تھا، آپ کو بھائی نہیں بنایا تھا۔'' ان کے پارکوں میں، ان کے کلبوں میں، تفریح کی جگہوں پر، کھیل کے میدانوں پر، سب جگہوں پر لکھا ہوتا تھا: Dogs and Blacks Are Not Allowed. (کتوں کو اور کالوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہے)۔

مجھے Dolphin Fish کا شو دکھانے کے لئے ساتھی لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بڑی دیکھنے کی چیز ہے، آپ دیکھ لیں۔ میں نے کہا مجھے ان کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے تو کسی کام کی جگہ پر لے جائیں۔ خیر وہ دکھانے کے لئے لے گئے۔ وہاں پر کالے آئے ہوئے تھے اور بتارہے تھے You see, we were not allowed to enter these places before. کہ پہلے ان جگہوں پر ہمیں داخل بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ ڈیڑھ سو سال سفید چمڑی والا انگریز حکومت کرکے، ان کو سو فیصد عیسائی بنانے کے بعد پھر بھی کامیاب نہ ہوا کیونکہ مساوات اور انسانی حق وحقوق کی جو ترتیب ہے وہ ان کو نہیں دی تھی۔

اس کے مقابلے میں ہمارے انقلاب کو دیکھیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ عربی بولنے والا علاقہ جس کو

جزیرہ نمائے عرب کہتے ہیں وہ موجودہ سعودی عرب، موجودہ فلسطین اور موجودہ شام کا علاقہ ہے، اس کو جزیرہ نمائے عرب کہتے ہیں۔ باقی علاقہ جو عربی بول رہا ہے مثلاً مصر، سوڈان، الجزائر، لیبیا، مراکش، تیونس وغیرہ ان میں سے کوئی بھی ملک عرب نہیں ہے۔ لیکن وہاں جب پہلے مرحلے میں اسلام کا اقتدار قائم ہوا، دوسرے مرحلے میں امن وامان قائم ہوا، پھر تیسرے مرحلے میں جب اسلامی اخلاق والی زندگی ان کے سامنے آئی تو ان کو اندازہ ہوا کہ ہماری جانیں اور ہمارا مال ان مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں ہمارے اپنے فرمانرواؤں سے زیادہ محفوظ ہیں اور ان کی زندگی وہ زندگی ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے اور جسے انسان کو ضرور اپنانا چاہئے۔ چنانچہ ان کی تہذیب وثقافت یہاں تک کہ زبان ہی بدل گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ہمیں دوسرے محاذ پر ضرورت پڑ رہی ہے لہٰذا اس علاقے کو آپ خالی کریں اور فوراً عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر مل جائیں۔ جب وہ علاقہ خالی کرنے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ہم نے آپ کے علاقہ میں امن وامان قائم کرنے اور زندگی کو معمول پر لانے کے صلے میں آپ سے جزیہ (Tax) لیا ہوا تھا، اب ہم علاقہ خالی کر رہے ہیں لہٰذا آپ کا ٹیکس آپ کو واپس کرتے ہیں۔ وہ لوگ ان کی منتیں کرنے لگے کہ آپ ہمارا علاقہ نہ چھوڑیں کیونکہ جتنا عرصہ آپ نے گزارا اس میں ہم نے دیکھا کہ ہمارے مال اور ہماری جانیں آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہمارے فرمان رواؤں سے زیادہ محفوظ تھیں۔

اس وقت آپ چترال کے پہاڑوں پر جائیں، گلگت کے پہاڑوں پر جائیں، جہاں آدمی کوئی زبان بھی نہیں سمجھتا لیکن وہ لاالہ اِلا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ پڑھ رہا ہے، اس کے پاس دین ہے۔ مختلف جگہوں پر میں گیا ہوں، وہاں کے آدمی کو کوئی زبان سمجھ نہیں آتی، لیکن وہ کلمہ پڑھ رہا ہے، وہ ایمان پر ہے، تو یہی تو توحید کی حقانیت کی دلیل ہے۔ حق جب پھیلتا ہے اس کو لوگ دلوں سے

قبول کرتے ہیں، اس پر جان دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ آج تیرے ہاتھ میں حق تو ہے لیکن تو اس کا نمائندہ نہیں ہے۔ باپ کی میراث تیرے پاس پڑی ہوئی ہے لیکن تُو اس سے کچھ فائدہ نہیں لے سکتا۔ لہٰذا آج میدان خالی ہے اور کفر دندناتا پھر رہا ہے اور سازشیں کر کے، بمباریاں کر کے، بارود پھینک کر، انسانوں کو خون میں نہلا کر اور ان کی زندگیوں کو تباہ کر رہا ہے۔ اس کے وسائل انسانوں کی خدمت کے لئے لگتے، بیماروں کے علاج کے لئے لگتے، بھوکوں کو کھانا کھلانے کے لئے لگتے لیکن نہیں لگتے، کیونکہ کفر کو اس کی توفیق ہی نہیں ہوسکتی۔ کفر کی یہ خصوصیت ہے اور کفر کی یہ علامت ہے کہ اس کا پیسہ اور اس کا اسلحہ دنیا میں تباہی اور کشت وخون کے لئے لگا کرتا ہے اور لوگوں کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے لگا کرتا ہے۔ اور حق اور دینِ اسلام کی علامت ہے کہ اس کا اسلحہ اور اس کا مال ودولت، یہ انسانیت کی خدمت کے لئے لگا کرتا ہے۔ امن وامان کے قائم کرنے کے لئے لگا کرتا ہے اور انسانوں کی زندگیوں کو بنانے کے لئے لگا کرتا ہے۔ جس طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس کو کر کے دکھایا ہے۔ کاش کہ میں اور تو اس بات کا نمائندہ بن جائیں تو آج بھی اللہ تعالیٰ اس زمین کو تیرے آگے سرنگوں کرنے کو تیار ہے۔

آج بھی ہو جائے گر براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

یہی وجوہات تھیں کہ لوگوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت میں اپنے مذہب بدلے، لباس بدلے، تہذیب وثقافت بدلی، یہاں تک کہ مادری زبان بدلی۔ جہاں زبانیں نہیں بدلیں تو ان زبانوں پر بھی اچھا خاصا اثر آیا۔ چنانچہ اردو، فارسی اور ترکی عربی کا پورا اثر لئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(جاری ہے)

شیخ الھندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی) (قسط۔۲)

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

’’ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی ”فقیه واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد“ کے ترجمے کا حاصل ’’بھاری‘‘ لفظ سے فرمایا، (کہ ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے)، مجلس میں ایک پرانے عالم تھے جو محدث کے لقب سے معروف تھے۔ انھوں نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ ”اشد“ کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انھوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہوگئی اور بیان سے بچ گیا۔ حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھنا نہیں، دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی، گو مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جاکر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیاز مندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ حضرت غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔ انھوں نے کڑک کر فرمایا کہ ”اشد“ کا ترجمہ آپ نے ”اثقل“ سے کیا یہ کہیں منقول نہیں، ”اضر“ سے کرنا چاہیے۔ مولاناؒ نے فرمایا اگر کہیں منقول ہو تو؟ انھوں نے کہا کہاں ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا حدیث وحی میں ہے، کسی نے پوچھا: کیف یاتیک الوحی (آپ ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟) جواب میں ارشاد ہوا: یاتینی احیانا مثل سلسلة الجرس وهو اشده علی (کبھی وحی مجھ پر گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) اور ظاہر ہے کہ یہاں

اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ممکن نہیں اثقل (زیادہ بھاری) ہی کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ بس یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہوگیا۔ مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا۔" (اشرف علی تھانویؒ، "ذکرِ محمودؒ"، مشمولہ تذکرہ شیخ الہندؒ، صفحات ۵۳۰-۵۳۱)

شیخ الہندؒ: فیض قاسمی کا شجرۂ طوبیٰ: خاکساری کا نتیجہ:

للّٰہیت اور خاکساری کے یہی وہ اوصاف تھے جس نے شیخ الہندؒ کو ترکِ ذات کے مقام علیا تک پہنچا دیا تھا۔ اس لیے خدا کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اسے رفعت عطا کریں گے ـــــ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الہندؒ کے اسی وصف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا قاری محمد طیبؒ کے نام گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا عبدالعدل صاحبؒ، حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی، حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن امروہویؒ دوسرے درجے میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی۔ ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکا۔ آج فیضِ قاسمی عالم میں میزابِ محمودی سے جاری ہے"۔

(حسین احمد مدنیؒ، مکتوبات شیخ الاسلام، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام ۱۹۹۴ء، جلد ۲، صفحات ۲۰۰-۲۰۱، مکتوب ۶۲)

....

شیخ الہندؒ کے مزاج وطبیعت میں اخفا کا بھی غلبہ تھا، اپنے علم وفضل کے اخفا کے حوالے سے آپ ہو بہو اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہم رنگ و آہنگ تھے۔ مولانا نانوتویؒ کا یہ مقولہ بہت ہی معروف ہے کہ "اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔"

(محمد یعقوب نانوتویؒ، "سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی"، مشمولہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتویؒ، کراچی: میر محمد کتب خانہ، صفحہ ۸)

یہی فقرہ شیخ الہندؒ سے اپنے متعلق منقول ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نہ نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا۔''

(میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ، لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۶۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تواضع کی برکت سے آپ کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے علم و فضل سے لے کر حریت اور جہاد تک ہر جگہ نمایاں فرما دیا۔

ذوق عبادت اور حسن معاشرت: اساس بندگی:

عبودیت اور بندگی کو دو بنیادی اوصاف؛ ذوقِ عبادت اور حسنِ معاشرت کے بلیغ عنوانات میں سمویا جاسکتا ہے۔ عبادت، بندگی کا لازمہ اور تخلیق کی وجہ اصل ہے۔ لیکن ضابطے کی عبادت اور ذوقی عبادت میں بہت فرق ہے۔ عبادت کا ذوق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کے لیے عبادت دل کا سکون اور لذت و فرحت کا سامان بن جائے۔ عبادت کے دو بنیادی مظاہر ہیں: تلاوت اور نماز ـــــ ایسا شخص جسے ذوقِ عبادت حاصل ہو تلاوت اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور نماز مخاطبت کا۔ اذکار و اوراد کی کثرت اور اس پر استمرار سے مقام عبودیت کو رسوخ کامل حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ الہندؒ باجماعت نماز اور نوافل کا غیر معمولی اہتمام:

واقفین حال شہادت دیتے ہیں کہ شیخ الہندؒ کے لیے ذکر، تلاوت اور نماز طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں ـــــ عبادت کی خشت اول نماز باجماعت کی پابندی ہے جس کی عادت رفتہ رفتہ عبادت بن جاتی ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوریؒ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ باجماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہوتی'' (تذکرۂ شیخ الہندؒ، صفحہ ۱۵۰)

ذوق عبادت کا یہ وافر حصہ شیخ الہندؒ کو زمانہ طالب العلمی ہی میں عطا ہوا تھا۔ باجماعت نماز کے

علاوہ صلوٰۃ اللیل اور دیگر اوراد و وظائف سے متعلق مولانا میاں سید اصغر حسینؒ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمود حسن) ایام طالب علمی ہی سے قیام اللیل کے پابند تھے ...... دن کو تعلیم و تعلّم کا شغل رہتا تھا، رات کو ادائے اوراد و اذکار معمولۂ مشائخ اور تعلیم فرمودۂ حضرت استاذ کا، شب کو دس گیارہ بجے تک حضرت استاذ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کی خدمت میں رہتے اور اس کے بعد گاہ گاہ رات کو مطالعہ و سبق دیکھتے۔ ذرا آرام کر کے نوافل اور ذکر اللہ میں مصروف ہو جاتے''۔ (میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ)

عبادات و معمولات میں تستّر و اخفا کا عالم یہ تھا کہ پوری کوشش فرماتے کہ کسی کو آپ کے معمولات کی خبر نہ ہو۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوریؒ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ اللیل سے تو گویا آپ کو عشق تھا۔ جب دیکھا کہ سب سو چکے ہیں، چپکے سے اٹھے اور نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ طویل طویل رکوع اور قیام میں پوری پوری رات گزار دیتے، لیکن جہاں کہیں بھی ذرا سی آہٹ محسوس کرتے کہ کوئی جاگ رہا ہے، فوراً ہی لیٹ جاتے تاکہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہو جائے کہ حضرت سو رہے ہیں۔''

(عزیز الرحمٰن بجنوری، تذکرۂ شیخ الہندؒ، صفحہ ۱۵۰)

کسی بے تکلف نے ایک مرتبہ شیخ الہندؒ سے یہ دریافت کر لیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کے جاگ جانے کے خیال سے نماز کیوں توڑ دیتے ہیں؟ فرمایا:

''بھائی! نفلی نماز کو توڑنے کے بعد دوسرے وقت ان کی قضا میرے لیے زیادہ سہل ہے اور بہتر ہے اس سے کہ لوگ میرے بارے میں حسن ظن رکھیں اور واقع میں میں ایسا نہ ہوں۔''

(حوالۂ بالا، صفحہ ۱۵۱)

شیخ الہندؒ: کثرت عبادت کے باعث پاؤں کے ورم پر خوشی:

ایک مرتبہ کثرت عبادت کی بنا پر پاؤں ورم کر گئے تو اس پر خوش ہر کر فرمایا: ''آج ایک سنت (حتّٰی تورمت قدماہ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کثرت قیام کی بنا

پرورم کر جاتے تھے“) پر اتباع نصیب ہوا۔“

(محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ، ۱۹۸۶ء، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶)

اتباعِ سنت: مجاہداتِ سلوک کا نقطۂ منتہا و مقصود:

اتباع سنت تمام تر مجاہدات اور سلوک و عرفان کا پھل ہے۔ شیخ الہندؒ کی اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا کہ:

”قیامِ دیوبند کے دوران جمعے کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لے جاتے، کپڑے دھوتے، پھر غسل فرماتے، یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل ہو جاتے تو پہن کر ایسے وقت چلتے کہ جمعے کی اذان ہونے لگتی اور اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے کہ آیت کریمہ: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (جب نماز جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو) پر عمل ہو سکے۔“ (حوالۂ بالا)

شیخ الہندؒ: عبادت اور اطاعت کا مظہر کامل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رأس الأمر فالاسلام وأما عموده فالصلوٰة وأما ذروة سنامه فالجهاد.

”اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کے ستون نماز اور اس کو ہان کی بلندی جہاد ہے“۔

(محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوریؒ، المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲م، کتاب الجهاد، جلد ۲، صفحہ ۸۶، رقم ۲۴۰۸)

بندگی کی غایت اصلی کے دو بڑے مظاہر ہیں: نماز اور جہاد —— بندگی کے تشکیلی عناصر کا دائرہ ان ہی دو قوسوں سے مکمل ہوتا ہے —— یہ دونوں مظاہر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہی نہیں عین یک دیگر ہیں اور غایت ان کی ایک ہے: بندگی —— نماز عبادتِ الٰہی کا مظہر کامل ہے اور جہاد نیابت الٰہی کا۔ شیخ الہندؒ کی زندگی میں بندگی کے یہ دونوں مظاہر پوری شان سے جلوہ گر تھے۔ جہاد سے وابستگی ہی نے انھیں ”اسیر مالٹا“ بنایا تھا اور نماز جسے متذکرہ حدیث میں عبادت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ فرائض تو فرائض ہی تھے شیخ

الہندؒ کے معمولہ نوافل، اوراد واذکار اور معمولات کی اس پابندی میں نہ درس وتدریس کی مشغولیت رکاوٹ بنتی تھی نہ ہی تحریک وجہاد کی مصروفیت ـــــــ حتیٰ کہ ایام اسیری میں بھی شیخ الہندؒ معمولات اپنی ترتیب کے مطابق انجام دیتے رہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

’’مولانا عشا کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے، کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو فرماتے۔ کبھی کبھی باتیں بھی کرتے تھے اور پھر سو جاتے تھے کیوں کہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا۔ سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں خود ہی بجھ جاتی تھی۔ البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی روشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علاحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولاناؒ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں سے نکلتے دروازے سے باہر تشریف لاتے۔ پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے، گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی۔ نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانے میں ہم نے یہ خاص اہتمام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چائے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا اور اس میں ٹینٹو پیچ دار لگی ہوئی تھی۔ اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا۔ پانی خوب گرم کر لیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرے میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا۔ اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشا کے بعد رکھ دیتے تھے۔ یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا۔ حال آں کہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ اندھیرے ہی میں جا کر اس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر چارپائی پر آ کر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے تھے اور ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسمِ ذات کی کوئی مقدار معین کر رکھی تھی اس کو ہمیشہ بالتزام پورا فرماتے۔ مراقبے کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ بعض اوقات میں دو دو تین تین مرتبہ باتیں

دھراتے مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پیش تر اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز با جماعت ادا فرما کر وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اس وقت مولانا کے لیے ابلے ہوئے انڈے اور چائے تیار رہتی تھی۔ وہ پیش کر دی جاتی تھی۔ اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمۂ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے، اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے۔ اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے وروالہ یا سینٹ کلیمٹ کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لیے دوسرے کیمپ میں سے آتا تو اس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے اور اس پر کمبل اور تکیہ بچھا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علاحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھا لیے جاتے تھے۔ تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹے تک اسی طرح آرام فرماتے تھے۔ پھر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف، دلائل الخیرات، حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں رہتے تھے پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہو کر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے۔ بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولاناؒ ذکرِ خفی لسانی میں مشغول ہوتے تھے وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے تھے۔ مغرب کے بعد بھی ذکرِ خفی میں مشغول ہو جاتے تھے''۔ (تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص ۱۵۱)

(جاری ہے)

حال اور کمال

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے خطبات سے ڈاکٹر محمد طارق صاحب کا انتخاب)

اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے۔ تو یا تو جنت (قرآن و حدیث کی روشنی میں) مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالفِ قرآن ہیں۔ (کیونکہ قرآن و حدیث میں جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ مانگنا آیا ہوا ہے) جیسے ایک صاحبِ حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا ہے) کہ ایک روز غلبۂ حال میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا؟ کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کر دیا، میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا۔ آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔

سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہلِ حال کے ہیں اور غلبۂ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا۔ ہم سوں کو تو ان کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیاری چیز ہے۔ جو لوگ اختیار سے ایسے الفاظ کہتے ہیں حاشا وکلّا جو اعلیٰ و ادنیٰ کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں۔ (یعنی وہ سمجھدار صوفی نہیں ہیں) غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں، پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی؟ آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے، جو کوئی واہی تباہی کلمات بیبا کانہ بکتا ہے اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی، ہاں غلبۂ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقّال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ ان کے اقوال کے دعوے کے ساتھ نقل سخت بیہودگی ہے۔ غرض ان لوگوں کی یہ حالت

معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ طلب فرماویں، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلُکَ الْجَنَّۃَ وَ مَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔ آیات واحادیث میں صاف طور پر طلبِ جنت کی فضیلت آئی ہے۔ اہلِ حال معذور تھے حال کی وجہ سے اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا۔ نقل ہی نقل رہ گئی۔ اس کو فرماتے ہیں مولانا

حرفِ درویشاں بد زود مردو زن
تابہ پیشِ جاہلاں خواہد فزوں

جن میں کچھ ہے نہیں وہ ان کے دعووں کی نقل کر کے جاہلوں میں بزرگ بنتے ہیں۔

مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ اعانت چاہتے تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی لمبی باتیں کرنے لگے، کیا پرواہ ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا۔ میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو اور جنت کی طرف التفات بھی نہ کرو گے۔ ان نقالوں میں رنگ البتہ اصل سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصلی میں نقلی کی سی آب وتاب نہیں ہوتی۔ (نقلی کی آب وتاب یعنی چمک دمک عارضی ہوتی ہے جب کہ اصلی کی پائیدار ہوتی ہے) رنگ وروغن کو دیکھ کر شیفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے۔ غرض اہلِ حال تو بحث سے مستثنیٰ ہیں اور جنت کا مطلوب ہونا بحالہٖ باقی رہا۔ (کیونکہ واضح آیتوں اور حدیثوں میں جنت کا مانگنا اور دوزخ سے پناہ چاہنا آیا ہوا ہے)

(صفحہ نمبر ۴۳ سے آگے)

دشمن آجائے تو فوراً ان کو دشمن کی طرف پھر جانا جائز ہے اور اس وقت استقبالِ قبلہ شرط نہ رہے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص دریا میں تیر رہا ہو اور نماز کا وقت اخیر ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اگر ممکن ہو تو تھوڑی دیر تک اپنے ہاتھ پیر کو جنبش نہ دے اور اشاروں سے نماز پڑھ لے۔ (بحوالہ اپنی نمازیں درست کیجئے، افادات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ترتیب وتدوین مولانا اشفاق احمد قاسمیؒ)

(جاری ہے)

توبہ

(زیرِ نظر مضمون جناب حضرت مولانا اختیار الملک صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف **"اصلاحِ نفس"** جلد سوئم سے لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو تین ضخیم جلدوں میں یہ کتاب شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ کتاب ان کے مجلس کے بیانات پر مشتمل ہے۔ اتنی آسان کہ سمجھنے میں کسی کو بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اتنی دلچسپ کہ شروع کریں تو چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ پختہ اور مفید علوم سے بھرپور، باقاعدہ حوالوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جناب اختیار الملک صاحب کو صحت کاملہ، عاجلہ، مستمرہ اور قوتِ قویہ نافعہ مفیدہ عطا فرمائے۔ آمین۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

تیر اور غیبی مدد:

فضیل ایک بہت بڑا قزاق تھا۔ ایک رات وہ اپنے غلام کی گود میں سر رکھے سو رہا تھا کہ دفعتہً ایک قافلہ ظاہر ہوا۔ قافلہ والوں نے جب راہ میں فضیل کو دیکھا تو ڈر گئے اور کہنے لگے کہ اب ہم کیا کریں، راستے میں فضیل قذاق موجود ہے؟

قافلہ میں تین شخص حافظِ قرآن اور قاری بھی تھے۔ کہنے لگے ٹھہرو، ہم اس پر تین تیر برساتے ہیں، ممکن ہے وہ اثر کر جائیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے تیر پھینکا اور یہ آیت پڑھی۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ (الحدید:۱۶)

کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کے سامنے عاجزی اختیار کریں۔

فضیل نے یہ آیت سنی تو لرز گیا۔ اتنے میں دوسرے نے یہ آیت پڑھی۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الزاریات:۵۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی طرف بھاگو۔ میں تمہیں ان سے ڈراتا ہوں۔

یہ آیت سن کر فضیل چیخ مار کر رونے لگا۔ اتنے میں تیسرے نے یہ آیت پڑھ دی۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (الزمر:۵۴)

اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور عذاب ٹوٹ پڑنے سے پہلے پہلے مان جاؤ کیونکہ اس وقت تمہیں مدد نہ ملے گی۔

فضیل تیسری بار بے حد چلائے اور کہا: اے میرے غلام! ایک اور خدائی تیر کا نشانہ بن گیا ہوں۔ یہ کہا اور فرمایا: آیئے یہاں سے لوٹ چلیں۔ میں یہاں نہایت نادم و پشیماں ہوں۔ پھر وہیں سے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ وہاں انھیں ہارون الرشید نے دیکھا اور کہا:

فضیل میں نے خواب میں دیکھا ہے، کوئی کہہ رہا ہے فضیل کے دل میں اپنے رب کا خوف طاری ہو چکا ہے اور اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف صحیح رجوع کر لیا ہے۔

یہ سنتے ہی فضیل کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور رو رو کر عرض کرنے لگے: الٰہی! چالیس سال سے بھاگا ہوا تیرا غلام تیرے دروازے پر حاضر ہو گیا ہے، اسے محروم نہ فرمایئے گا۔ چنانچہ ان کی توبہ ایسے قبول ہوئی کہ ان کا اسمِ گرامی اولیاء کی جماعت میں آفتاب ومہتاب کی طرح چمک رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ زاروقطار رونے لگے اور پوری یکسوئی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے اور ایک ایسے ریگستان میں جا پہنچے جہاں ایک قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ جب آپ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو آپ کے کانوں میں قافلے میں شامل ایک شخص کی آواز پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا: اس راستے میں فضیل ڈاکے ڈالتا ہے اسلیئے ہمیں اس راستہ تبدیل کر لینا چاہیئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ یہ سنتے ہی اس شخص کے سامنے چلے گئے اور فرمایا:

لوگو! اب آپ بے فکر ہو جائیں کیونکہ میں نے رہزنی سے پکی توبہ کر لی ہے۔

یہودی کی شرط

پھر آپ ان تمام لوگوں سے معافی کے خواستگار ہوئے جو آپ کے ہاتھوں لٹ چکے تھے۔ تمام لوگوں نے آپ کو معاف کر دیا مگر ایک یہودی نے آپ کو معافی دینے سے انکار کر دیا اور یہ شرط پیش کی کہ اگر تم سامنے والی پہاڑی کو یہاں سے ہٹا دو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔

یہودی کی شرط قبول کرتے ہوئے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں سے مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ حسنِ اتفاق اسی وقت ایسی تیز آندھی چلی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری پہاڑی صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئی۔ چنانچہ یہ دیکھتے ہوئے یہودی نے آپ کو سچے دل سے معاف کر دیا۔

یہودی نے یہ عرض کیا کہ میں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا جب تک تم میرا لوٹا ہوا مال واپس نہیں لوٹاؤ گے میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ لہٰذا اس وقت میرے تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی ایک تھیلی رکھی ہوئی ہے، وہ آپ اٹھا کر مجھے دے دو تاکہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے یہودی کے تکیہ کے نیچے سے تھیلی اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

اس کے بعد یہودی نے مزید ایک شرط پیش کی۔ اس نے کہا کہ پہلے مجھے مسلمان کرو پھر میں تمہیں معاف کروں گا۔ آپ نے کلمہ پڑھا کر یہودی کو مسلمان کر لیا۔ یہودی نے اسلام لانے کے بعد فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: میرے مسلمان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ تورات میں پڑھا تھا کہ اگر سچے دل سے تائب ہونے خاک کو بھی چھوئے تو وہ کندن بن جاتی ہے لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا، آج جبکہ میری تھیلی میں مٹی بھری ہوئی تھی، آپ نے اس تھیلی کو اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھمایا تو وہ سونا بن گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ واقعی دین اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ یہ کہہ کر وہ یہودی زار و قطار رونے لگا اور اس نے خدا اور رسول ﷺ سے لو لگا لی۔

یوں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے سیدھے راستے پر آتے ہی سب سے پہلے ایک یہودی کو مسلمان کر کے اپنے ولی اللہ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔

نمازیں

(قسط۔۱۱)

(قاضی فضلِ واحد صاحب)

دورانِ سفر دونمازوں کو اکٹھا کرنا:

دونمازوں کو جمع کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں، بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا لازم ہے۔البتہ سفر کی ضرورت سے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ پہلی نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور پچھلی نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھ لیا جائے۔اس طرح دونوں نمازیں ادا تو ہوں گی اپنے اپنے وقت میں لیکن صورۃً جمع ہوجائیں گی اور اگر پہلی نماز کو اس قدر مؤخر کردیا کہ اس کا وقت نکل گیا تو نماز قضا ہوگئی ور اگر پچھلی نماز کو اس طرح مقدم کردیا کہ ابھی تک اس کا وقت ہی داخل نہیں ہوا تھا تو نماز ادا ہی نہیں ہوگی اور اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ (بحوالہ آپ کے مسائل اوران کا حل)

مغرب وعشاء کا ایک وقت میں پڑھنا: ہمارے نزدیک بارش کی وجہ سے عشاء کی نماز مغرب کے وقت پڑھنا صحیح نہیں۔ (بحوالہ آپ کے مسائل اوران کا حل)

کشتی، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور ریل میں نماز

کشتی میں نماز پڑھے تو مستحب ہے کہ اگر قادر ہو تو فرض نماز کے لئے کشتی سے باہر نکل کر پڑھے۔قبلہ کو منہ کرنا لازم ہے اور جب کشتی گھومے تو نماز پڑھنے والا اپنا منہ قبلہ کو پھیرے اور اگر باوجود قدرت کے منہ نہ پھیرے گا تو نماز جائز نہ ہوگی۔(ہندیہ)

اگر کشتی چلتی ہو اور قیام پر قادر ہو اور پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔اور اگر کشتی بندھی ہوئی ہو پس زمین پر اترنے میں عذر وضرر نہ ہو تو نیچے اتر کر زمین پر نماز پڑھنا بہتر ہے۔(زبدۃ المناسک،رشید احمد گنگوہیؒ)

بحری جہاز میں نماز:

چلتے ہوئے جہاز میں اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں (غنیۃ المناسک) البتہ طوفان وغیرہ ہوا چلنے سے اتنا لرزہ ہونے لگے کہ قیام کرنے کی قدرت نہ ہو، سر گھومنے لگے، متلی آتی ہو، تو جائز ہے۔ (ناقل)

ایسے ہی ہندیہ میں لکھا ہے کہ اگر ایسی حالت ہو کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو دورانِ سر پیدا ہو گا تو کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے، یہی حکم جہاز کا ہے۔ (زبدۃ المناسک، رشید احمد گنگوہیؒ)

ہوائی جہاز میں نماز:

اگر تاخیر کر کے زمین پر اتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو نماز مؤخر کرے لیکن جب وقت جانے کا اندیشہ اور زمین پر اترنا اپنے اختیار میں نہیں تو سمتِ قبلہ معلوم کر کے ہوائی جہاز ہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اگر کھڑے ہونے میں کچھ عذر ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔

(امداد الفتاویٰ، جلد ۱، بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز اکثر علمائے کرام کے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ نماز کو اس کی تمام صحت کے ساتھ ادا کیا جائے، قبلہ رخ اور دیگر شرائط میں نقص نہ رہ جائے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے کے بعد زمین پر احتیاطاً اس کا اعادہ بھی کرے تو بہتر ہے، ضروری اور واجب نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل)

جہاز میں نمازِ جمعہ:

سب اماموں کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں۔ جب جمعہ واجب ہی نہیں ہے، اور نہ صحیح، تو جمعہ پڑھنے سے بالاتفاق ترک فرضِ ظہر کا لازم آئے گا۔ (زبدۃ المناسک، رشید احمد گنگوہیؒ)

ریل میں نماز:

چلتی ریل گاڑی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر کھڑے ہونے سے سر

چکرانے یا گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر ریل سے اتر کر نماز پڑھنے میں عذر مانع نہ ہو تو اسٹیشن پر اتر کر پڑھے یا کچھ تاخیر کرنے سے اگر اسٹیشن پر اترنا ممکن ہو تو تاخیر مستحب ہے۔ اگر ریل پھرنے سے سمت قبلہ تبدیل ہو جائے تو نماز ہی میں گھوم جائے بشرطیکہ گھومنے کی جگہ ہو۔

(امداد الفتاویٰ، جلد ا)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ریل گاڑی میں اس قسم کی نماز جس میں رکوع یا سجدہ کی بجائے ہجوم کی وجہ سے اشارہ کیا ہو اس کا اعادہ علی السبیل الاحتیاط کر لینا چاہیے۔

(بحوالہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ خطبہ ۹، جلد ا، صفحہ ۲۸۸)

بس میں نماز

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ اسی طرح قیام بھی بشرطِ قدرت فرض ہے اور شرط یا فرض میں سے کسی کے چھوٹ جانے سے نماز درست نہیں ہوتی۔ لہٰذا ٹرین کا سفر ہو یا بس کا دونوں میں قبلہ رو ہونا اسی طرح بشرط قدرت قیام کرنا ضروری ہوگا۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا یا محض اشارے سے نماز پڑھنا درست نہیں۔

ٹرین میں باقی شرائط کے ساتھ چونکہ ممکن ہے اس لئے نماز ٹرین میں قضاء نہ کی جائے۔ البتہ بس کے سفر میں اگر درمیان میں بس اتنی دیر نہ ٹھہرتی ہو جس میں فرض نماز ادا کی جا سکے تو پھر نماز بعد میں قضاء پڑھی جائے گی۔ البتہ نماز کی اہمیت باقی رکھنے کے لئے اگر قضا ہو جانے کا خطرہ ہو تو بیٹھے بیٹھے بس میں اشارے کے ساتھ اس وقت نماز پڑھ لی جائے اور بعد میں اس کی قضاء بھی کیا جائے۔

(مفتی سعید احمد، مفتی عبدالمجید دین پوری دارالافتاء معہد الخلیل الاسلامی کراچی بحوالہ ماہنامہ سلوک و احسان جون ۲۰۱۰ء)

(ادارہ: بس کو چونکہ کھڑا کیا جا سکتا ہے لہٰذا ڈرائیور کو کہہ کر بس کھڑی کر کے نماز پڑھنی ضروری ہے۔ اگر بس والا بس کھڑی نہ کرے تو بس سے اتر جانا چاہئے۔ نماز پڑھ کر دوسری بس میں بیٹھ جانا چاہئے)

گھوڑے، اونٹ اور ھاتھی پر نماز

گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی وغیرہ پر اشارہ سے نماز پڑھ لینی جائز ہے۔

خوف کی نماز

جب کسی دشمن کا سامنا ہونے والا ہو خواہ دشمن انسان ہو یا کوئی درندہ، جانور یا کوئی اژدھا وغیرہ، اور ایسی حالت میں سب مسلمان یا بعض لوگ بھی مل کر جماعت سے نماز نہ پڑھ سکیں اور سواریوں سے اترنے کی بھی مہلت نہ ہو تو سب لوگوں کو چاہئے کہ سواریوں پر بیٹھے بیٹھے اشاروں سے تنہا نماز پڑھ لیں۔ استقبال قبلہ بھی اس وقت شرط نہیں۔ ہاں اگر دو آدمی ایک ہی سواری پر بیٹھے ہوں تو وہاں دونوں جماعت کر لیں اور اگر اس کی بھی مہلت نہ ہو تو معذور ہیں۔ اس وقت نماز نہ پڑھیں، اطمینان کے بعد اس کی قضاء پڑھ لیں۔ اور اگر یہ ممکن ہو کہ کچھ لوگ مل کر جماعت سے نماز پڑھ سکیں اگرچہ سب آدمی نہ پڑھ سکتے ہوں تو ایسی حالت میں ان کو جماعت نہ چھوڑنا چاہئے۔

دورانِ جنگ: دورانِ جنگ اس قاعدہ سے نماز پڑھیں کہ تمام مسلمانوں کے دو حصے کر دیئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں رہے اور دوسرا حصہ امام کے ساتھ نماز شروع کر دے۔ اگر تین یا چار رکعت کی نماز ہو جیسے ظہر، عصر، مغرب، عشاء جبکہ یہ لوگ مسافر نہ ہوں تو قصر نہ کریں، پس جب امام دو رکعت نماز پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے تب یہ حصہ چلا جائے اور دوسرا حصہ وہاں سے آکر امام کے ساتھ بقیہ نماز پڑھے، امام کو ان لوگوں کے آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔ پھر جب بقیہ نماز امام تمام کر چکے تو سلام پھیر دے اور یہ لوگ بدون سلام پھیرے ہوئے دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں اور پہلے لوگ پھر یہاں آکر اپنی بقیہ نماز بے قرأت کے تمام کر لیں اور سلام پھیر دیں، اس لیے کہ وہ لوگ مسبوق ہیں۔

مسئلہ: حالت نماز میں دشمن کے مقابلے میں جاتے وقت یا وہاں سے نماز تمام کرنے کیلئے آتے

وقت پیادہ چلنا چاہئے۔ اگر سوار ہو کر چلیں گے تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ عملِ کثیر ہے۔

مسئلہ: دوسرے حصہ کا امام کے ساتھ بقیہ نماز پڑھ کر چلا جانا اور پہلے حصہ کا پھر یہاں آ کر اپنی نماز تمام کرنا اس کے بعد دوسرے حصہ کا یہیں آ کر نماز تمام کرنا مستحب اور افضل ہے ورنہ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا حصہ نماز پڑھ کر چلا جائے اور دوسرا حصہ امام کے ساتھ بقیہ نماز پڑھ کر اپنی نماز وہیں تمام کر کے تب دشمن کے مقابلے میں جائے، جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں تو پہلا حصہ اپنی نماز وہیں پڑھ لے یہاں نہ آئے۔

مسئلہ: یہ طریقہ نماز پڑھنے کا اس وقت کیلئے ہے کہ جب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں مثلاً کوئی بزرگ شخص ہو اور سب چاہتے ہوں کہ اسی کے پیچھے سب نماز پڑھیں ورنہ بہتر یہ ہے کہ ایک حصہ ایک امام کے ساتھ پوری نماز پڑھ لے اور دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے پھر دوسرا حصہ دوسرے شخص کو امام بنا کر پوری نماز پڑھ لے۔

مسئلہ: اگر یہ خوف ہو کہ دشمن بہت ہی قریب ہے اور جلد ہی یہاں پہنچ جائے گا اور اس خیال سے ان لوگوں نے پہلے قاعدے سے نماز پڑھی، اس کے بعد یہ خیال غلط نکلا تو امام کی نماز تو صحیح ہو گئی مگر مقتدیوں کو اس نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے اس لیے کہ وہ نماز نہایت سخت ضرورت کے لیے خلافِ قیاس عملِ کثیر کے ساتھ مشروع کی گئی ہے۔ بے ضرورتِ شدیدہ اس قدر عملِ کثیر مفسدِ نماز ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی ناجائز لڑائی ہو تو اس وقت اسی طریقہ سے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مثلاً باغی لوگ بادشاہِ اسلام پر چڑھائی کریں یا کسی دنیاوی ناجائز غرض سے کوئی کسی سے لڑے تو ایسے لوگوں کے لیے اس قدر عملِ کثیر معاف نہ ہو گا۔

مسئلہ: نماز خلافِ جہت قبلہ کی طرف شروع کر چکے ہوں کہ اتنے میں دشمن بھاگ جائے تو ان کو چاہئے کہ فوراً قبلہ کی طرف پھر جائیں ورنہ نماز نہ ہو گی۔

مسئلہ: اگر اطمینان سے قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہوں اور اسی حالت میں (باقی صفحہ نمبر ۲۵ پر)

تہوار

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

تہوار ایسی تقریب کو کہتے ہیں جسے کوئی قوم اجتماعی طور سے منائے۔ ہر وہ کام جو اجتماعیت پیدا کرتا ہو اور اس کے لئے قوم کی ایک کثیر تعداد جمع ہو کر اجتماع کرتی ہو۔ یہ چیز اس قوم کو دبدبہ، غلبہ اور برتری عطا کرتی ہے۔ تہوار بعض اوقات مذہبی ہوتے ہیں جس کا تعلق اس قوم کے، مذہب عقائد اور اعمال سے ہوتا ہے۔ بعض موسمی یا تاریخی واقعات کی یادگاریں ہوتے ہیں۔ بہرحال تہوار کچھ بھی ہوں اوپر بیان کئے گئے اثرات ان کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس لئے کسی قوم، مذہب اور طبقہ کے تہوار میں شامل ہونا ان کے دبدبہ، غلبہ اور برتری میں اضافہ کر کے اپنے دبدبہ، غلبہ اور برتری کو نقصان پہنچانا ہے۔ جہاں تک مذہبی تہوارں کا تعلق ہے اس میں مسلمان کے لئے کفار کے تہواروں میں شامل ہونا گویا ان کے باطل مذہب اور باطل عقائد کی تائید کرنا ہے جو کبھی حرام اور کبھی صلبِ ایمان یعنی ایمان کے ختم ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک اللہ والے بزرگ جو معاشرے میں نیک مشہور تھے وفات پا گئے۔ وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ بہت اعلیٰ لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن ہونٹوں پر ایک سانپ بیٹھا ہے جو ان کو ڈس رہا ہے۔ خواب دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ کے حالات تو جنت کے نظر آرہے ہیں لیکن یہ سانپ ڈس رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں گزر رہا تھا اور ہندو اپنی ہولی کی رسم میں مصروف تھے۔ اس رسم میں سرخ رنگ پچکاریوں (سرنجز) میں بھر بھر کر ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں۔ میں پان کھا رہا تھا، میں نے پان کا سرخ تھوک ایک گدھے پر پھینکتے ہوئے کہا کہ چل تیری بھی ہولی ہوگئی۔ اتنی دیر کی ہولی کی شمولیت اس عذاب کی بنیاد بن گئی۔

(باقی صفحہ نمبر ۹ پر)